سطح/پروگرام:	ایم اے اردو		کل نمبر:100
کورس/کوڈ:	افسانوی ادب (5604)		کامیابی کے نمبر:40

Sr. No	Question	Marks
1	پریم چند کے افسانے اصلاحی ہوتے ہوئے بھی فن افسانہ نگاری کے تقاضوں پر پورا اترتے نظر آتے ہیں. آپ کے خیال میں اس کی کیا وجوہات ہیں؟ بیان کیجیے.	34
2	منٹو کے اسلوب اور انداز فکر میں کوئی فاصلہ نہیں. دلائل کے ساتھ جواب دیجے۔	33
3	امتیاز علی تاج کا ڈراما انار کلی کد کا المیہ ہے؟ اکبر، سلیم یا پھر انار کلی کا؟ جواب دیجئے.	33

ANS 01

پریم چند اردو کے مشہور ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں۔ ان کا اصلی نام دھنپت رائے واستو ہے، لیکن ادبی دنیا میں پریم چند کے نام سے مشہور ہیں وہ 31 جولائی 1880 میں پیدا ہوئے اور 8 اکتوبر 1936 میں 56 برس کی عمر میں بنارس ہی میں انتقال کر گئے۔

افسانہ،حقیقت کی ایک فنی اور شاعرانہ شکل ہے۔زندگی کا کوئی واقعہ بغیر فن کی آمیزش اور تخیل کے عمل کے افسانہ نہیں بنتا۔افسانہ نگار زندگی کے کسی سچے واقعے میں کبھی مکالمہ،کبھی کوئی منظر یاکبھی کوئی خود ساختہ کردار اپنی طرف سے شامل کرکے اسے شاعرانہ حقیقت میں بدل دیتاہے اور اس طرح کائنات میں ہر طرف بکھری ہوئی ایک سچی زندگی سے ایک دوسری زندگی کی تعمیر ہوتی ہے۔

پریم چند کے افسانوں میں بھی ہمیں اسی سچی زندگی کی تعمیر نظر آتی ہے۔ان کے افسانوں کی فضا ہمیں بہت مانوس نظر آتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے افسانوں کا پلاٹ ہمارے معاشرے کے گوناگوں پہلووں سے اخذ کیا ہے۔ ان افسانوں میں دیہاتی زندگی ہنستی بولتی اور سسکتی بلبلاتی نظر آتی ہے۔ گاؤں کے تو ہم پرست ،جاہل مرد، عورت، مغرور، چودھری، کنجوس،بنیے، رشوت خور، نمبردار وغیرہ اپنی ذہنی و نفسیاتی کیفیات و خصو صیات کے ساتھ ان افسانوں میں اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ مقدمہ بازی، مارپیٹ، عصمت فروشی، جہیز کی لعنت، بیوہ عورتوں پر توڑے جانے والے مظالم جیسے کتنے ہی سنگین مسائل حقیقت کے ساتھ ان افسانوں میں اُجاگر ہوئے ہیں۔

پریم چندنے اپنے افسانوں میں بہت سے کردار پیش کئے جو حقیقت سے بہت قریب نظر آتے ہیں یہ کردار تخیل کی دنیا کے نہ ہو کر حقیقی زندگی کے جیتے جاگتے کرداریا تصویریں ہیں۔ یہ کردار مصنف کے ہاتھ کی کٹھ پتلی نہیں بلکہ کہانی میں پیش آنے والے واقعات کے مطابق ارتقا کے مراحل سے گزرتے ہیں۔ یہ کردار جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں پریم چند کی زندگی کا بڑا حصہ اسی کے درمیان گزرا تھا اور انہوں نے اس طبقے کے افراد کی نفسیات کا گہرا مشاہدہ کیا تھا لہٰذا انہوں نے ان کرداروں کی جو تصویر پیش کی ہے وہ سچی اور حقیقت سے قریب تر ہے۔ امیر،

Tajassus.com

غریب۔ مہاجن، وکیل، کسان، پٹواری اور زمیندار کی جو تصویریں پریم چند نے پیش کی ہیں وہ پریم چند کے گہرے مشاہدے اور حقیقت پسندی کی وجہ سے زندگی کی حرارت سے معمور نظر آتی ہے۔

پریم چند کی حقیقت نگاری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے عورتوں، خاص طور پر بیوہ عورتوں کی دوسری شادی کرنے پر نہ زور دیا بلکہ خود بھی دوسری شادی کرکے ایک مثال پیش کی۔ اس بات کی مثال ہمیں افسانہ۔''بدنصیب ماں'' میں ملتی ہے۔ اس افسانے میں پریم چند نے عورت کی بے کسی، بے بسی، مجبوری اور لا چاری کو موضوع بنا کر اس حقیقت کو پیش کیا ہےکہ کس طرح سے شوہر کے مرنے کے بعد چاروں بیٹوں کا سلوک اپنی ماں کی جانب پھر جاتا ہے اور وہ ہر چیز پر قابض ہو جاتے ہیں۔ پریم چند نے روایت سے بغاوت کی اور نہایت ہی جرأت سے کام لیا۔ پریم چند کے ایک ہم عصر علامہ راشد الخیر کی تخلیقات بھی بڑی آگہی اور سماجی شعور کے ساتھ منظر عام پر آئی ہیں۔ انھوں نے بھی اُن ہی موضوعات کا انتخاب کیا جن کا پریم چند نے کیا تھا۔ انھوں نے اپنے ناولوں اور افسانوں کے ذریعے عورتوں کی اصلاح و ترقی کی کوشش کی۔ عورتوں کی زبونحالی اور اُن کے دُکھ درد کو اپنے قلم سے پیش کیا۔ مسلم گھرانوں میں غلط رسم و رواج، رسومات پر تنقید کی۔ جب کہ پریم چند نے ملک کے مذاہب وہ ہندوں ہو یا مسلم دونوں کو اپنے کرداروں میں ڈھال کرتنقید کی ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے منشی پریم چند نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ غریب محنت کش انسانوں کے دُکھ درد کو پیش کریں۔ پریم چند نے اس حوالے سے بہت سے افسانے لکھے وہ کسان کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ یہی کسان جو شہری زندگی کے لئے عیش و آرام کی دنیا فراہم کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس وہی شہری ان کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ پریم چند نے ''بے غرض محسن'' کے عنوان سے ایک افسانہ لکھا،جس میں اس کرب کو محسوس کیا جاسکتا ہے یہ اقتباس ملاخط ہو:

''تھوڑی دیر میں ایک بوڑھا آدمی لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا اور ڈنڈوٹ کرکے زمین پر بیٹھ گیانذر نہ نیاز۔ اس کی یہ گستاخی دیکھ کر ہیرامن کو بخار چڑھ آیا۔ کڑک کر بولے: ابھی کسی زمیندار سے پالا نہیں پڑا ہے ایک ایک کی ہیکڑی پھلادوں گا۔۔۔ تخت سنگھ نے ہیرامن کی طرف غور سے دیکھ کر جواب دیا۔ میرے سامنے بیس زمیندار آئے اور چلے گئے مگر ابھی تک کسی نے اس طرح سے دھمکی نہیں دی۔ یہ کہہ کر اس نے لاٹھی اُٹھائی اور اپنے گھر چلا آیا''۔

پریم چند نے اپنے افسانوں کو حقیقت سے قریب کیا، انہوں نے عوامی زندگی کی ترجمانی، محنت کش طبقہ کے احساسات، جذبات اور ان کے مسائل کو پیش کیا۔ انھوں نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے اپنی تمام ممکنہ فنی صلاحیتوں کا استعمال کیا ہے۔ پریم چند کی حقیقت نگاری کی بہترین مثال ان کا افسانہ ۔'' کفن'' ہے۔ ان کا یہ افسانہ ایک نئے طرز کی بے باک اور بے رحم حقیقت کا نمونہ ہے۔ اس میں پریم چند نے سماج کی بگڑتی ہوئی حالت، بے کسی کا عالم، غریبی اور مفلسی کی حالت اور انسانی زندگی کی بے قدری، غلامی اور مجبوری کے دور ہندوستان کے عوام کی بھر پور ترجمانی کی ہے اور وہ یہ دکھانا چا ہتے ہیں کہ استحصال اور ظلم و جبر کی قوتیں کس طرح انسان کو بدحالی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

Talassus.com

پریم چندکی حقیقت نگاری کے بارے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے زندگی کو جیسا پایا کم و کاست ویسا ہی بیان کردیا۔ مثلاً وہ ہندوستانی دیہات کو جنت کا ٹکڑا بنا کر پیش کر سکتے تھے مگر پریم چند نے انھیں ویساہی دکھایا جیسے وہ اصلیت میں تھے۔ ان کی حقیقت نگاری ان کے تجربات اور مشاہدات کا نتیجہ ہے۔ اسی خصوصیت سے انھیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کر دیا افسانہ نگاری کے فن میں پریم چند نے جو شہرت حاصل کی وہ لوگوں کے حصے میں کم ہی آتی ہے۔ ان کے افسانے قومی، سیاسی اور سماجی رجھانات کے آئینہ دار ہیں۔

ANS 02

سعادت حسن منٹو اور افسانہ نگاری کے اہم ستون ہیں۔ پریم چند کے اصلاحی اور معاشرتی افسانے کے بعد اہم افسانہ نگاروں کی صف میں کرشن چندر، بیدی اور عصمت کے ساتھ منٹو کا نام بھی شامل ہے۔ ۱۹۳۵ء کے بعد ترقی پسند نظریئے کے تحت افسانے کا موضوع طبقاتی کشمکش اور سماج کے دیگر مسائل بن گئے تھے۔ اس وقت کے شاعر و ادیب کی تخلیقات پر شعوری اور غیر شعوری طور پر اس کا اثر پڑ رہا تھا۔ کرشن چندر، بیدی اور عصمت بھی اس تحریک سے وابستہ ہو کر سماجی مسائل پر غور و خوض کر رہے تھے۔ فکری طور پر منٹو بھی اس طرف راغب ہوئے لیکن اسے اپنے ذہن پر حاوی نہیں ہونے دیا، اسے اپنا پاؤں کی زنجیر نہیں بنایا، اس سے تحریک ضرور حاصل کی لیکن اس سے بلند ہو کر پورے سماج اور زمانے کے مسائل پر قلم اٹھایا۔ منٹو کے افسانے سماجی نوعیت کے ہیں۔ طبقاتی نظام کے نتیجے میں نچلے طبقے کے لوگ، ان کا ذہن، ان کے سماجی، نفسیاتی اور جنسی مسائل کو منٹو نے موضوع بنایا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک سے متاثر ضرور تھے مگر منٹو پوری طور پر اس تحریک کے قائل نہ تھے۔ بعض کے نزدیک وہ فحش نگار تو بعض کے نزدیک وہ محض باغیانہ خیالات کے مالک تھے۔ ان کی تحریروں میں سماج کی صحیح عکاسی غیر جانبدارانہ اور باغیانہ طور پر ہوئی جن میں منٹو کے افسانوں کے علاوہ مضامین، خطوط، ڈرامے، خاکے وغیرہ شامل ہیں۔ خاص طور پر منٹو کے خطوط جو انکل سام کے نام لکھے گئے، اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ منٹو محض باتونی نہیں تھے بلکہ سماج کا درد اپنے سینے میں سما رکھتے تھے۔ یہ محض اتفاق کی بات نہیں بلکہ ان کی جرأت مندی اور ہوش مندی کا بھی ثبوت فراہم کرتا ہے جو منٹو، اس وقت کہ جب وہ دور ناقابل برداشت تھا، جب معمولی بات بھی چنگاری کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ بات ان دنوں کی ہے جب ہندستان آزادی کا خواب دیکھ رہا تھا، انگریز ہندستان پر حکومت کر رہے تھے۔ کھُل کر لکھنا ممنوع تھا۔ منٹو داد کے مستحق ہیں جنھوں نے نڈر اور بے باکی سے اس زمانے میں اپنے افسانوں سے وہ ساری باتیں کہہ ڈالیں جو اس وقت کا افسانہ نگار ہمت بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ گو منٹو نے اردو فکشن کے نئے زاویے، نئی راہ وا کی۔ منٹو نے در اصل آنے والی نئی نسلوں کو افسانہ لکھنا سکھایا۔ ''آتش پارے '' سعادت حسن منٹو کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو ۱۹۳۶ء میں چھپا تھا۔ (یہ وہ سال ہے جب ترقی پسند تحریک کی پہلی کانفرنس پریم چند کی صدارت میں لکھنؤ میں ہوئی تھی) ''آتش پارے '' کے دیباچے میں وہ خود رقمطراز ہیں: ''یہ افسانے دبی ہوئی چنگاریاں ہیں۔ ان کو شعلوں میں میں تبدیل کرنا پڑھنے والوں کا کام ہے۔''

Tajassus.com

سچ تو ہے کہ منٹو کسی بندھے ٹکے نظریے کے قائل نہ تھے بلکہ انھوں نے باغیانہ خیالات کو اپنے افسانوں کے ذریعہ پیش کیا۔ مشہور نقاد پروفیسر ابو الکلام قاسمی اپنے مضمون '' منٹو کے بعد اردو افسانہ: شخصیات اور رجحانات'' میں لکھتے ہیں:

''منٹو کا زمانہ وہی ہے جو ترقی پسند تحریک کے عروج کا زمانہ ہے مگر زندہ رہنے والے فنکار تحریکات کا کبھی شکار نہیں ہوتے۔ سو منٹو نہ ترقی پسند رہا اور نہ غیر ترقی پسند۔ وہ ایک افسانہ نگار تھا اور صرف افسانہ نگار۔''

)رسالہ ادیب، ص۹۶(

سچ ہے منٹو کسی تحریک کا شکار نہ ہوئے بلکہ وہ خود اپنے آپ میں ایک تحریک تھے۔ 'وہ ایک افسانہ نگار تھے صرف افسانہ نگار'۔ میں پروفیسر قاسمی کے بیان کے ضمن میں ہی یہ کہنا چاہوں گا کہ بعض اصحاب قلم کے نزدیک منٹو ترقی پسند، تو بعض کے نزدیک رجعت پسند یا بعض کے نزدیک فحش پسند تھے، مگر میرے نزدیک نہ تو وہ ترقی پسند تھے، نہ رجعت پسند یا فحش پسند تھے، ہاں مگر وہ حقیقت پسند ضرور تھے۔

فحش نگاری کے حوالے سے اصل بات میں کہ یہ عرض کرتا چلوں کہ فحاشی ہمارے سماج کے ذہنوں میں ہے نہ کہ منٹو کی تحریروں میں سچ تو یہ ہے کہ منٹو کے بغاوت کے عناصر جنس نگاری اور عریاں نگاری سے کہیں آگے کی چیز ہیں خود بقول منٹو:

''ہماری تحریر میں آپ کو کڑوی کسیلی لگتی ہیں مگر اب تک جو مٹھاس آپ کو پیش کی جاتی رہی ہیں ان سے انسانیت کو کیا فائدہ ہوا ہے ... نیم کے پتے کڑوے سہی مگر خون ضرور صاف کر دیتے ہیں۔''

منٹو کو ماہر نفسیات بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ ایک حد تک درست بھی ہے۔ بانجھ، ڈرپوک، ٹیڑھی لکیر، اور چغد وغیرہ منٹو کے نفسیاتی افسانوں میں آتے ہیں مگر ان افسانوں کو نفسیات کا موضوع قرار دینا مناسب نہیں، کیونکر نفسیات کا تعلق اسلوب و تکنیک سے ہے۔ گو منٹو ماہر نفسیات کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قارئین نے ان کی تحریروں میں حقیقت اور بے باکی کے عنصر کو عریانیت کا نام دے کر اور ان کی تخلیقات، دونوں کو تنازعہ دینے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں متعدد بار منٹو جیل بھی گئے، عدالتوں کا چکر لگائے مگر اس کے باوجود منٹو نے خوب کھل کر بے خوفی کے ساتھ لکھا۔ اس بابت وہ خود فرماتے ہیں۔

''زمانے کے جس دور سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں، اگر آپ اس سے ناواقف ہیں، تو میرے افسانے پڑھئے۔ اگر آپ ان افسانوں کو برداشت نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمانہ ناقابل برداشت ہے۔ مجھ میں جوج برائیاں ہیں، وہ اس عہد کی برائیاں ہیں، میری تحریر میں کوئی نقص نہیں، جس نقص کو میرے نام سے منسوب کیا جاتا ہے، در اصل موجودہ نظام کا نقص ہے۔''

منٹو پر لکھنے والے اصحاب قلم نے منٹو کی ادبی شخصیت کے لگ بھگ سبھی دریچوں کو کھولا ہے، مگر صد افسوس آج کے ناقدین زیادہ تر منٹو کو صرف بطور افسانہ نگار ہی متعارف کراتے ہیں۔ مزید افسوس ناک بات یہ ہے کہ افسانوں کو ہی اہم بتا کر اپنا علمی معیار جتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۳۰۰ء سے زائد افسانوں کے مالک سعادت حسن منٹو ہیں ان سبھی کا تجزیہ وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

ANS 03

Tajassus.com

اردو ڈراما کی تاریخ میں امتیاز علی تاج کی تخلیق ڈراما "انار کلی کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ اپنی مثال آ پ ہے ۔یہ ڈراما پہلی بار 1932میں شائع ہوا۔اس کے بعد اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اس ڈرامے کی مقبولیت بر قرار ہے ۔بھارت میں انارکلی کی کہانی کی اساس پر ایک فلم" مغل اعظم " بنائی گئی جسے فلم بینوں نے بہت پسند کیا ۔اپنی نوعیت کے لحاظ سے انارکلی ایک ایسی رومانی داستان ہے جس کے حقیقی مآخذ کے بارے میں اب تک کوئی ٹھوس تاریخی حقیقت یا دستاویزی ثبوت سامنے نہیں آیا۔خرافات،مفروضات،قیاس اور وہم و گمان کا ایک ایسا سلسلہ ہے جس نے تحقیقی منظر نامے کو گہنا دیا ہے ۔ادب کے قارئین اس داستان کے سحر میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ حقائق کی تلاش میں پیہم ٹامک ٹوئیے مارتے پھرتے ہیں مگر نشان منزل کہیں نہیں ملتا۔وہی نور جہاں اور جہانگیر کے کبوتروں والا معاملہ ہے جو کبھی تھا ہی نہیں مگر آب حیات کا مطالعہ کرنے والے لوگ اب تک اسے کالنقش فی الحجر قرار دیتے ہیں۔انار کلی کی پوری داستا ن ایسے واقعات سے لبریز ہے جو سرے سے کبھی وجود میں ہی نہیں آئے۔سرابو ں کی جستجو میں سرگرداں اور تحقیق سے گریزاں لوگوں کا یہ المیہ یہ ہے کہ وہ آئین نو سے خوف زدہ ہیں اور طرز کہن کی تقلید میں ان کی دلچسپی روز افزوں ہے ۔

ڈراما انارکلی ایک رومانی موضوع پر لکھی گئی داستان کی اساس پر استوار ہے ۔مطلق العنان مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر اپنی منظور نظر کنیز انار کلی کے حسن و جمال اور رقص کا شیدائی ہے ۔نادرہ نامی یہ کنیز قصر شاہی میں اس قدر دخیل ہے کہ تما م امور میں بادشاہ اس کی رائے کو اہمیت دیتا ہے ۔اس کنیز سے بادشاہ نے جو پیمان وفا باندھا وہ اس کی زندگی میں بے حد اہم ہے ۔اس کہانی میں ایک اہم موڑ اس وقت آتا ہے جب بادشاہ کا بیٹا اور ولی عہد شہزادہ سلیم بھی اسی کنیز کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو جاتا ہے جو اس کے باپ کے لیے راحت و آرام کا وسیلہ ہے ۔ ایک طرف تو جلال الدین اکبر کی ہیبت و سطوت کے سامنے یہ کنیز بے بس ہے تو دوسری طرف شہزادہ سلیم کی پر کشش شخصیت او رانداز دلر بائی نے اسے تذبذب میں مبتلا کر دیا ہے ۔اس کے لیے جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ بن جاتا ہے ۔ایک طرف تو شہنشاہ جلال الدین اکبر اس کنیز کو اپنی ذاتی ملازمہ سمجھتے ہوئے اس پر بلا شرکت غیرے اپنا استحقاق جتاتا ہے تو دوسری طرف ولی عہد شہزادہ سلیم کی نگاہ انتخاب اس پر پڑ چکی ہے اور اس کہ اپنی شریک حیات بنانے پر تل گیا ہے ۔انارکلی نہایت راز داری سے کام لیتے ہوئے اپنے دونوں عشاق کے دل کی تسکین کا خیال رکھتی ہے ،لیکن عشق اور مشک کبھی چھپائے نہیں چھپ سکتے ۔یہ راز بالآخر ایک اور کنیز دلآرام کی سازش سے طشت از بام ہو جاتا ہے دلآرام جو شہزادہ سلیم سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہے ،جب اسے قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا تو وہ رقابت کی آگ میں جلنے لگی اور اس نے انار کلی اور شہزادہ سلیم سے بدلہ لینے کی ٹھان لی ۔جلال الدین اکبر اور شہزادہ سلیم میں اس کنیزانار کلی کے حصول کے لیے محاذ آرائی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ دونوں کی افواج آمنے سامنے ہو جاتی ہیں اور ایک جنگ کے بعد شہزادہ سلیم اور انار کلی کو قید کر لیا جاتا ہے ۔شہزادہ سلیم تو محفوظ رہتا ہے مگر انار کلی کو جلال الدین اکبر کے احکامات کے تحت زندہ دیوار میں چنوا دیا جاتا ہے ۔اس طرح اس پوری کہانی کو ایک المیہ قرار دیا جا سکتا ہے جس نے ایک پورے خاندان اور پوری سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا ۔جنرل مان سنگھ جیسے دلیر سپہ سالار اور معاملہ فہم سپاہی،اکبر جیسے سیاست دان اور منتظم کو اس رومانی داستان نے بے بس و لاچار بنا کر اضطراب میں مبتلا کر دیا ۔یہ تمام سوالات ادب کے سنجیدہ قاری کے لیے لمحہ ءفکریہ

Tajassus.com

ہیں۔وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ زیب داستاں کے لیے اس داستاں میں بات کا بتنگڑ بنا دیا گیا ہے ۔یہ سار ا افسانہ کذب و افترا ،بہتان طرازی ،الزام تراشی ،کردار کشی اور بدنیتی پر مبنی شقاوت آمیز نا انصافی کی قبیح مثال ہے ۔خود امتیاز علی تاج نے اس ڈرامے کی حقیقت کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے اور اس کو تاریخی واقعات سے متصادم سمجھتے ہوئے اس کی افسانوی حیثیت کو واضح کیا ہے ۔اس سے یہ حقیقت معلو م ہوتی ہے کہ افسانے کبھی حقیقت نہیں بن سکتے ۔اس فرضی ،من گھڑت اور پشتارہءکذب و افترا ڈرامے کے پس منظر کے بارے میں کچھ چشم کشا حقائق پیش خدمت ہیں۔ان کی روشنی میں تا ریخی صداقتوں کی تفہیم اور درست نتائج تک رسائی کی ایک ممکنہ صورت پید ا ہو سکتی ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ انار کلی کا واقعہ 1599میں وقو ع پذیر ہوا ۔یورپی سیاح ولیم فنچ جو 1618میں لاہور پہنچا،اس نے اپنی یاد داشتوں میں اس المیے کا ذکر بڑے دردناک انداز میں کیا ہے ۔اس نے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح اس من گھڑت واقعے کے ذریعے مغل شہنشاہ اکبر کو بد نام کیا جائے ۔اس نے اکبر کی توہین ،تذلیل ،تضحیک اور بے توقیری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔انگریزوں کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ مشرقی تہذیب و تمدن کی رسوائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ۔اس کے بعد 1618میں ایک اور یورپی سیاح ایڈورڈ ٹیری لاہور آیا ،اس نے بھی اپنے پیش رو سیاح ولیم فنچ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اس فرضی داستان کو خوب نمک مرچ لگا کر پیش کیا۔دراصل یہ ایک سازش تھی جسے مسلسل آگے بڑھایا جا رہا تھا ۔چار سال بعد یعنی 1622میں یورپ سے سیاحت کی غرض سے آنے والے ایک اور سیاح ہربرٹ نے بھی اس قصے کو اپنی چرب زبانی سے خوب بڑھا چڑھا کر بیا ن کیا ۔اس کے باوجود کسی نے ان بے سروپا الزامات اور ہف وات پر کان نہ دھر ا ۔اس زمانے میں ادب کے سنجیدہ قارئین نے اس قسم کے عامیانہ نوعیت کے بیانات کو کبھی لائق اعتنا نہ سمجھا۔ پورے دو سو سال تک بر صغیر کے لوگ اس قصے سے لا علم رہے کسی غیر جانب دار مورخ کے ہاں اس کا ذکر نہیں ملتا ۔نور الدین جہانگیر نے تزک جہانگیری میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔اس عہد کے ممتاز مورخ والہ داغستانی اور خافی خان جو اکبر اور جہانگیر کی معمولی نوعیت کی لغزشوںپر بھی نظر رکھتے تھے ،انھوں نے بھی کسی مقام پر اس قصے کو ذکر نہیں کیا۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام قصہ محض تخیل کی شادابی ہے ۔یورپی سیاحوں نے اپنی منفی سوچ کو بروئے کا لاتے ہوئے سازش کا جو بیج بویاوہ رفتہ رفتہ نمو پاتا رہا ۔1864میں مولوی نور احمد چشتی نے اپنی تصنیف " تحقیقات چشتی " میں انار کلی اور اکبر کے اس رومان کا ذکر کیا ہے ۔1882میں کنہیا لال ہندی نے اپنی تصنیف "تاریخ لاہور " میں انار کلی ،اکبر اور سلیم کے اس المیہ قصے کا احوال بیان کیا ہے ۔یہ سلسلہ مقامی ادیبوں کے ہاں ایک طویل عرصے کے بعداس قصے کی باز گشت سنائی دینے لگی ۔سید محمد لطیف نے بہت بعد میں انار کلی اور اکبر کے اس المیے کا ذکر اپنی تصنیف (History of Lahore)میں کیا ہے ۔یہ انگریزی کتاب 1892میں شائع ہوئی۔تاریخ حقائق سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انار کلی ،اکبراور سلیم کا یہ رومانی المیہ جسے ابتدا مینیورپی سیاحوں نے محض تفنن طبع کے لیے اختراع کیا ،آنے والے دور میں اس پر لوگوں نے اندھا اعتماد کرنا شروع کر دیا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حقیقت کو خرافات کے سرابوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے ۔دروغ گوئی کے اس طوفان بلا خیز میں بسیط حقائق اب عنقا ہوتے چلے جا رہے ہیں ۔اس لرزہ خیز اعصاب شکن حالات میں ادبی تحقیق پر مائل ادیب یہ سوچنے پر مجبور

Tajassus.com

ہیں کہ دیکھیے اب خفاش ، افسانہ طراز ،چربہ ساز او رکفن دزد عناصر کیا گل کھلاتے ہیں اور نتائج کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے ۔یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ہمارے ہاںتحقیق کی روشنی میں موضوعات کو جانچنے کی روایت اب توجہ طلب ہے ۔

Tajassus.com